ڈاکٹر یوسف* ڈاکٹر عاصمہ غلام رسول**

سلطان باہوؒ اور میر تقی میر کی مشترک شعری اقدار

Abstract: *Sultan Bahoo and Mir Taqee Mir are famous and prominent names of Urdu and Punjabi Poetry. Both considered Ishq as base of faith in their poetry. Both of them described the reality of life and mortality of entity in their poetry. They considered selfless people as the basic reason of betterment of humanity. This article is about the above mentioned aspects of the poetry of both the great poets. In this article the researcher has tried to describe the prominent features of both the poets of Urdu and Punjabi..*

اردو اور پنجابی شاعری میں میر تقی میر اور سلطان باہوؒ کے نام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ دونوں کی شاعری میں عشق کو ایمان کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ دونوں نے زندگی کی حقیقت اور ہستی کی ناپائیداری کو بھرپور انداز میں اپنے شعروں کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے نزدیک بے لوث اور مخلص انسان ہی انسانیت کی فلاح کا سبب بنتے ہیں۔ اس عارضی دنیا میں اللہ نے انسان کے لیے بے شمار آزمائشیں رکھی ہیں۔ جو انسان ان آزمائشوں میں صبر کے ساتھ ثابت قدم رہتا ہے، وہی کامیاب قرار پاتا ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں دونوں شعرا کی شاعری کے انہی پہلوؤں کی وضاحت کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ نے آج کے مسلمان کو کیا خوب صورت انداز میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کی طرف راغب کیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے، یہ وہ نہیں کر رہا اور گناہ گار بن رہا ہے۔ اب سرور کائنات کی شفاعت ہی ہے، جس سے سارے عالم کی بخشش ہو پائے گی۔

ب۔ بسم اللہ اسم اللہ دا ایہہ بھی گہنا بھارا ہو
نال شفاعت سرور عالم چھٹسی عالم سارا ہو
حدوں بے حد درود نبی نوں جیندا ایڈ پسارا ہو
میں قربان تنہا نتوں باہو جہناں ملیا نبیؐ سوہارا ہو(۱)

* چیئرمین، اکادمی ادبیات اسلام آباد، پاکستان
** کوآرڈینیٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

میر نے بھی حضرت سلطان باہو کی طرح اللہ تعالیٰ کے بعد مسلمان کو جس ہستی کی شفاعت اور ہمدردی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، وہ محسنِ کائنات، رحمت عالم سرور کائنات، حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور ان کا اس بات پر ایمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے بنا دنیا و آخرت میں کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی۔ اس ضمن میں آپ یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

کیا میر تجھ کو نامہ سیاہی کا فکر ہے
ختم رسل سا شخص ہے ضامن نجات کا (۲)

یہ انسانی فطرت رہی ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے ایمان کی سلامتی مانگتا ہے نہ کہ عشق کی۔ عشق سلامتی مانگنے والا ہی اصل میں زیادہ ایمان دار اور اصل نجات کا حق دار ہے کیوں کہ عشق ہی وہ جذبہ ہے جس میں ایک عاشق بے خوف و خطر ہو کر اپنی منزل تک پہنچتا ہے اور اگر یہ منزل ایمان کی ہو تو کیا ہی عمدہ بات ہے۔ عشق کی آخری منزل ہی ایمان ہے اس لئے سلطان باہو عش کی سلامتی کے لئے ایمان کو ہی واسطہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ایمان سلامت ہر کوئی منگے عشق سلامت کوئی ہو
منگن ایمان شرماون عشقوں، دل نوں غیرت ہوئی ہو
جس منزل نوں عشق پچاوے، ایمان نوں خبر نہ کوئی ہو
میرا عشق سلامت رکھیں باہو ایمانوں دیاں دھروئی ہو(۳)

اسی طرح میر نے عشق کو ذریعہ نجات کہہ کر تمام موضوعات پر ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ عشق چاہے کوئی بھی ہو، وہ دونوں طریق میں ناکارہ نہیں ہے۔ عشق تو وہ جذبہ ہے جو سالک کو اس کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ میر نے بھی عشق کو غیرت کی نشانی قرار دیا ہے، اور ایمان کو سلامت رکھنے کا ذریعہ بھی بتایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اسلامی کفری کوئی ہو شرط درد عشق
دونوں طریق میں نہیں ناکارہ دردمند(۴)

حضرت سلطان باہو، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بہادری اور کلمے کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے کلمہ پڑھ کے کفر کو پیچھے چھوڑ دیا اور سب سے پہلے مسلمان کہلائے۔ حضرت علی وہ بہادر اور عظیم الشان ہستی تھے کہ ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کا ڈر نہ تھا۔ ان کی اس بہادری کی وجہ سے آپ کو شیر کا خطاب ملا۔ حضرت سلطان باہوؒ بھی حضرت علیؓ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کلمیں دی کل تداں پیو سے جداں مرشد کلماں دسیا ہو
ساری عمر وچ کفر دے جالی بن مرشد دے دسیا ہو
شاہ علی شیر بہادر وانگن وڈھ کلمیں کفر نوں سٹیا ہو
دل صافی تاں ہووے باہو جاں کلماں لوں لوں رسیا ہو (۵)

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی بے شمار احادیث مبارکہ ہیں جن میں آپ ﷺ نے حضرت علی کی شان بیان کی ہے ان میں سے ایک بے حد مشہور ہے:

"میں علم کا شہر اور علی اُس کا دروازہ ہے۔ "

میر نے اپنے انداز میں حضرت علی سے اپنی چاہت کا یوں ذکر کیا ہے:

ہمت دے باد تند کو ایسی کہ بعد مرگ
مشت غبار میرؔ بخت پہنچے یا علی(۶)

سلطان باہوؒ کے کلام میں بے شمار اشعار عشق کے موضوع پر ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق کو اس کی اصل قرار دیا ہے، اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو عشق میں مستانہ ہو وہی اللہ کو پا سکتا ہے۔ یعنی اللہ کو پانے کے لیے عشق کی او کھی گھاٹی عبور کرنا پڑتی ہے۔ جب یہ گھاٹی عبور ہو جائے تو سالک اور اللہ تعالیٰ میں دوئی کا فرق ختم ہو جاتا ہے، اور سالک اپنی ذات کو اللہ کی ذات میں مدغم کر لیتا ہے اور حضرت سلطان باہو نے بھی اپنی ذات کو خالق حقیقی کی ذات میں غرق کر دیا اور "باہو" کہلائے یہ او کھی گھاٹی یہ سفر عشق ہی کی وجہ سے ممکن ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

یار یگانہ ملسی تینوں جے سر دی بازی لائیں ہو
عشق اللہ وچ ہو مستانہ ہو ہو سدا لائیں ہو
نال تصور اسم اللہ دے دم نوں قید لگائیں ہو
ذاتے نال جاں ذاتی رلیا تد باہو نام سدائیں ہو (۷)

عشق ازل سے شعرا کے کلام کا موضوع رہا ہے۔ شعرا نے اپنے محبوب کے ساتھ عشق کو عبادت کہا ہے۔ جہاں دیکھو ہر طرف عشق دکھائی دیتا ہے۔ اس ضمن میں میر تقی میر یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو
سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق

عشق معشوق عشق عاشق
یعنی اپنا ہی مبتلا ہے عشق(۸)

حضرت سلطان باہوؒ نے انسان کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے بتایا ہے کہ جب انسان اپنی زندگی گزار کے اس دنیا سے کوچ کرتا ہے تو عزیز و اقارب لحد بنا کر مٹی ڈال کے واپس آجاتے ہیں، کوئی رشتہ دار قبر میں ساتھ نہیں ہوتا۔ انسان نے جیسے عمل کیے ہوں گے، اُسے اس کی سزا اور جزا مل جاتی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت اور فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔ یعنی جو بھی جاندار اس دنیا میں آیا ہے۔ اس نے ایک دن یہاں سے چلے جانا ہے۔ حضرت سلطان باہو نے اپنی شاعری میں اس دنیا کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھا ہے۔

لوک قبر دا کر سن چارا لحد بناون ڈیرا ہو
چٹکی بھر مٹی دی پاسن کرسن ڈھیرا چیرا ہو
دے در ود گھراں نوں ونجن کو سن شیرا شیرا ہو
بے پرواہ درگاہ رب باہو نہیں فضلاں باجھ نبیڑا ہو(۹)

انسان چاہے ہزار سال بھی جی لے اُسے موت آکر رہتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔"

میر تقی میر نے بھی اپنے انداز میں اس دنیا کے لوگوں اور اس دنیا کی حقیقت کو اپنے رنگ میں یوں بیان کیا ہے:

دل گیا رسوا ہوئے آخر کو سودا ہو گیا
اس دو روزہ زیست میں ہم پر بھی ہو گیا(۱۰)

انسان جتنا بھی پڑھ لکھ جائے، جتنا بھی بڑا عالم بن جائے، اُسے اپنی حقیقت کو نہیں بھولنا چاہیے۔ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی گہرائی کو ناپا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی عالم خود کو اس علم کے سمندر سے مکمل طرح واقف نہیں کہہ سکتا۔ حضرت سلطان باہوؒ نے مغرور عالموں کی ندیا کی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ پڑھ پڑھ کے جو عالم تو ہو جاتے ہیں، لیکن ان کا علم ان کی روح تک نہیں پہنچتا صرف دنیاداری حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ جب کہ بے لوث اور بے لالچ عالم ہی دوسروں کو صحیح بات سکھاتا ہے۔ اسے اپنے عالم ہونے کا رتی بھر بھی غرور یا تکبر نہیں ہوتا:

پڑھ پڑھ عالم کرن تکبر حافظ کرن وڈیائی ہو
گلیاں دے وچ پھرن نمانے وتن کتاباں چائی ہو

جتھے ویکھن چنگا چوکھا اوتھے پڑھن کلام سوائی ہو
دوہیں جہانیں سوئی مٹھے باہو جناں کھادھی وچ کمائی ہو (۱۱)

میر تقی میرؔ نے یہی بات اپنے انداز میں مقتدی اور امام کے تصور کے حوالے سے کچھ یوں لکھی ہے:

مسجد میں امام آج ہوا آ کے وہاں سے
کل تک تو یہی میر خرابات نشین تھا(۱۲)

ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے انسان کے جان و مال کا احترام کرے کیوں کہ اسلام میں تمام انسان برابر ہیں، سوائے تقویٰ کے۔ انسان وہ جاندار مخلوق ہے جسے رب نے اشرف المخلوقات پیدا کیا۔ اشرف المخلوقات ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا عزت و احترام کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو وہ جانور سے بھی بدتر ہوگا۔ انسان کا ادب ہی اسے دنیا و آخرت میں کامیابی دلاتا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ نے اسلامی درس کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کے موضوعات کو بھرپور انداز سے نمایاں کیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ "بے ادب بے مُراد اور باادب بامُراد" یعنی کوئی بھی انسان خواہ وہ کسی بھی مذہب، قبیلہ یا رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو چھوٹا ہو یا بڑا کو بُرا نہیں کہنا چاہیے:

بے ادباں ناں سار ادب دی گئے ادباں توں وانجے ہو
جیہڑی تھاں مٹی دے بھانڈے کدی نہ ہوندے کانجے ہو
جیڑھے مڈھ قدیم دے کھیڑے ہوون کدی نہ ہوندے رانجھے ہو
جیں دل حضور نہ منگیا باہو گئے دوہیں جہانیں وانجے ہو(۱۳)

انسان کو اونچی اُڑان نہیں اڑنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا۔ مٹی اور غرور کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح میر تقی میر نے مرتبہ آدمیت کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ
اُڑتے ہیں میر جی لیکن ہوا میں (۱۴)

حضرت سلطان باہوؒ نے انسان کو خود نفسی سے منع فرمایا اور خود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق میں مبتلا رہنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے کے لیے خود کو یعنی نفس کو مارنا پڑتا ہے۔ جب تک انسان نفس کا پیروکار رہتا ہے گناہ میں مبتلا رہتا ہے۔ جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے ہر طرف بھلائی کا راستہ نظر آتا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا:

تدون فقیر شتابی بند اجد جان عشق وچ ہارے ہو
عاشق شیشا تے نفس مربی جان جاناں تو وارے ہو
خود نفسی چھڈ ہستی جھیڑے راہ سروں بھارے ہو
باہو باہجھ مویاں نہیں حاصل تھیڈا توڑے سے سانگ اتارے ہو (۱۵)

حضرت سلطان باہوؒ کی بات کو میر نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے خودی کو ختم کر کے خدا حاصل ہونے کی بات کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

نہ کھینچیں کیوں کہ نقصاں تو قیدی ہیں تعین کے
خودی سے کوئی نکلے تو اسے ہووے خدا حاصل(۱۶)

جس انسان کے پاس کسی کام کا ہنر ہو وہ اس کام کا ماہر کہلاتا ہے، اور اس کی ہر جگہ مانگ ہوتی ہے لوگ اسے ہر جگہ سراہتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ پر جب ایک ہنر مند کو بھی اس کے ہنر کا فائدہ نہ ہو تو اس کے بے قدر ہنر کہیں گے۔ پر کچھ لوگوں میں کئی قسم کا ہنر ہوتے ہوئے بھی خود پر غور نہیں کرتے بلکہ اپنے دلبر، محبوب یا مرشد کا ہی خاص سمجھتے ہیں حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں:

میں کوجھی میرا دلبر سوہنا میں کیوں کر اس نوں بھانداں ہو
ویہڑے ساڈے وڑادا ناہیں پئی لکھ وسیلے پانواں ہو
ناں میں سوہنی ناں دولت پلے کیوں کر یار مناواں ہو
ایہہ دکھ ہمیشاں رہسی باہو روندڑی ہی مر جانواں ہو (۱۷)

میر کا انداز حکیمانہ اور فلسفیانہ ہونے کے ساتھ ساتھ مبلغانہ بھی ہے، جب کہ میر نے بے باق لہجہ اپناتے ہوئے کہا کہ جس کو ہنر آتا ہو وہی گناہ گار بن جاتا ہے:

صناع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہنر آوے(۱۸)

اس عارضی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بے پناہ امتحان رکھے ہیں کچھ تو ان امتحانوں میں کامیاب ہو کر اس دنیا کو عارضی سمجھتے ہوئے اپنا نام دنیا و آخرت میں اونچا کر لیتے ہیں اور کچھ اسے ہی اصل ٹھکانہ سمجھ بیٹھے ہیں، اور وہی دنیا و آخرت میں رسوا ہوتے ہیں۔ حضرت باہوؒ فرماتے ہیں:

مال تے جان سب خرچ کراہاں کریئے خرید فقیری ہو
فقر کنوں رب حاصل ہووے کیوں کیجیئے دیگری ہو
دنیا کارن دین ونجاون کوڑی شیخی پیری ہو
ترک دنیاں تھیں قادری کیتی باہو شاہ میراں دی میری ہو(۱۹)

اس بارے میں میر نے خود کو مستغنی و بے نیاز کہتے ہوئے لکھا ہے:

میر کیا ہے فقیر مستغنی
آوے اس پاس بادشاہ تو کیا(۲۰)

مسلسل کوشش کرنا انسان کی زندگی کا دستور ہے۔ مایوس ہو کر بیٹھ جانا گناہ ہے۔ انسان اگر ایک بار ناکام ہو جائے تو اسے اپنی منزل سے ہٹنا نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حیات کو امتحان کی سیڑھی سے منسلک کر رکھا ہے۔ زندگی ہے تو بار بار کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ حضرت سلطان باہوؒ نے اپنے منفرد انداز میں مسلسل کوشش کا درس یوں دیا ہے:

ہک جاگن ہک جاگ نہ جانن ہک جاگدیاں ہی ستے ہو
ہک ستیاں جا واصل ہوئے ہک جاگدیاں ہی مٹھے ہو
کے ہویا جے گھگو جاگے جھبڑا لیندا ساہ اُپٹھے ہو
میں قربان تنہاں توں اہو جنہاں کھوہ پریم دے جتے ہو (۲۱)

میر درد نے نہ صرف انسان کو مسلسل کوشش کا درس دیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ قدرت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ انسان صرف اور صرف کوشش کر سکتا ہے۔ اسے کامیاب کرنا اللہ کا کام ہے۔ میر لکھتے ہیں:

یوں تم ہم عاجز ترین خلق عالم ہیں وے
دیکھو قدرت خدا کی گر ہمیں قدرت ہوتی(۲۲)

اللہ واحد لاشریک ہے۔ اس نے انسان کو اپنی عبادت اور اس کے بعد نبی ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اللہ کے نیک لوگ دنیا کی ہر شے کو بھلا کر صرف اس راہِ حق پر چل نکلتے ہیں اور خود کو نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی روشن ستارے کی مانند بنا لیتے ہیں۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

وحدت دا دریا الٰہی جتھے عاشق لیندے تاری ہو
مارن ٹبیاں کڈھن ہوتی آپو آپی واری ہو
در یتیم وچ لیے لشکارے جیون چن لاٹاں ماری ہو
سو کیوں نئیں حاصل بھرے دے باہو جیہڑے نوکر نیں سرکاری ہو (۲۳)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے میر نے جو انداز اپنایا ہے۔ اس میں انہوں نے اللہ کے واحد ہونے کی بات کی ہے، لکھتے ہیں:

آگے عالم عین تھا اس کا اب عین عالم ہے وہ
اس وحدت سے یہ کثرت ہے یاں میرا سب گیان گیا (۲۴)

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے برگزیدہ لوگوں کو پیدا کیا۔ میری مراد اللہ کے وہ نیک لوگ جن پر اس نے انعام کیے جو دنیا میں رہ کر لوگوں کو اچھائی، بھلائی اور نیکی کا درس دیتے ہیں بلکہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ حضرت سلطان باہوؒ نے ان لوگوں کو دنیا میں سب سے اچھا انسان بتایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فقر کے راستے پر چلتے ہیں۔ ان کو اللہ نے اپنی رحمت اور خاص انعامات سے نوازہ ہوتا ہے۔ اس بارے میں سلطان باہوؒ نے فرمایا:

دل دریا سمندروں ڈونگھا غوطہ مار غواصی ہو
جیں دریا وںج نوش نہ کیتا رہسی جان پیاسی ہو
ہر دم نال اللہ دے رکھن ذکر فکر دے آسی ہو
اس مرشد تھیں زن بہتر باہو جو پھند فریب لباسی ہو (۲۵)

اس بارے میں میر دردؔ کا خیال بھی کچھ کم نہیں انہوں نے تو بادشاہ وسلطانوں کو شکستہ حال کہا اور فقیر کو ہی اصل امیر لکھا ہے:

خراب و خوار ہے سلطان شکستہ حال امیر
کسو فقیر سے شاید کہ صحبت ان کو نہیں (۲۶)

انسان سوچتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے چاند، ستارے، سورج، زمین، فلک غرض یہ سب کچھ جو آسمان اور زمین میں ہے کس نے پیدا کیا ہے۔ تو ایک ہی جواب ملتا ہے کہ وہ ذات بابرکات اللہ رب العزت ہے۔ انسان اگر اپنا مشاہدہ کرے تو اس کے جسم میں سب سے اہم چیز اس کا دل ہے اور اس دل میں اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ یوں تو وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن اللہ کا دل کے ساتھ بنا کسی پردے اور حجاب کے واسطہ ہے۔ اگر انسان کے اندر اُس ذات کا وجود نہ ہو تو ہر طرف اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ اندر تو ویران ہوتا ہی ہے باہر بھی ویران نظر آتا ہے۔ حضرت سلطان العارفینؒ لکھتے ہیں:

اندر ہوتے باہر ہو ایدم ھو دے نال جلیندا ہو
ھودا داغ محبت والا ہر دم پیا سڑیندا ہو
جتھے ہو کرے رُشنائی چھوڑ اندھیرا ویندا ہو
میں قربان تنہاں توں باہو جیہڑا ھو نوں صحی کریندا ہو (۲۷)

اسی قسم کی شاعری میں میر نے اپنا ایک منفرد انداز اپنایا ہے کہ جب تک وہ دل میں موجود ہوتا ہے تب تک خود پر رشک رہتا ہے۔ جب وہ دل سے نکل جاتے تو انسان خود کو بہشتی سے گناہ کا تصور کرتا ہے۔ میر لکھتے ہیں:

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میرؔ
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا(۲۸)

انسان اس دنیا میں آنے کے بعد سوچنا سمجھنا اور سیکھنا شروع کیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ اس دنیا میں مہمان ہے۔ اسے اللہ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا اور یہاں اپنی عبادت و اطاعت کا حکم دیا۔ پیدا ہونے سے مرنے تک کا عمل زندگی کہلایا اور موت کے بعد کو ابدی حیات کا نام دیا گیا۔ شعرا نے اس عمل کو اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

بنھ چلایا طرف زمین دے عرشوں فرش ٹکایا ہو
گھر تھیں ملیا دیس نکالا اساں لکھیا جھولی پایا ہو
رہ نی دنیاں ناں کر جھیڑا ساڈا اگے دل گھبرایا ہو
اسیں پردیسی ساڈا وطن دوراڑھا باہو دم دم غم سوا باہو (۲۹)

میرؔ نے اس بات کو نہایت خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ انسان کے لیے اگر صرف حیات ہی ہوتی تو وہ تھک جاتے۔ ہم آس پاس کی مثال دیکھتے ہیں کہ جب ایک انسان نہایت بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی دل میں خدا سے ایمان کی موت طلب کرتا ہے۔ جب ایک انسان چل پھر نہیں سکے گا یا اپنے کام خود نہیں کر پائے گا، محتاج ہو جائے گا تو ایک دن اس حیات سے بھی پناہ مانگے گا۔ اس لیے میرؔ نے لکھا ہے:

وقفہ مرگ اب ضروری ہے
عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم(۳۰)

اس فانی دنیا میں انسان کردار سے لے کر حیات بعد الموت یعنی ابدی حیات تک کے موضوعات کو ان دونوں عظیم شعرا نے جس مہارت کے ساتھ اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ وہ ان کے فن اور مہارت کا خاصا ہے۔ بلا شبہ میر تقی میر اور سلطان باہوؒ کے شعری موضوعات کا مطالعہ انسان کو غور و فکر اور سوچ بچار کی طرف مائل کرنے کا اہم وسیلہ ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ سلطان الطاف علی، ڈاکٹر، مرتب: ابیات باہو، لاہور: باہو پبلکیشنز، ۲۱۰۲ء، ص:1491
۲۔ میر تقی میر، کلیات میر، لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۱۰۲ء، ص:245
۳۔ سلطان الطاف علی، ڈاکٹر، مرتب: ابیات باہو، ص:96
۴۔ کلیات میر، ص:585
۵۔ سلطان الطاف علی، ڈاکٹر، مرتب: ابیات باہو، ص:485
۶۔ میر تقی میر، کلیات میر، ص:236

۷۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،ص:626
۸۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص:۳۱۳
۹۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،ص:522
۱۰۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص:65
۱۱۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،ص:165
۱۲۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص:۱۱
۱۳۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،ص141
۱۴۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص325
۱۵۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،ص206
۱۶۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص162
۱۷۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب:ابیات باہو،ص551
۱۸۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص262
۱۹۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،548
۲۰۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص572
۲۱۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،ص213
۲۲۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص362
۲۳۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،ص603
۲۴۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص571
۲۵۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،ص298
۲۶۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص445
۲۷۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،87
۲۸۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص۱۱
۲۹۔ سلطان الطاف علی،ڈاکٹر،مرتب: ابیات باہو،154
۳۰۔ میر تقی میر،کلیات میر،ص320

☆☆☆☆☆